پروفیسر محمد اسلم سابق صدر شعبہ تاریخ، جامعہ پنجاب (لاہور)

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء .... ۲۲ اگست ۱۹۴۴ء)

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی ۱۰، مارچ ۱۸۷۲ء کو چیانوالی، ضلع سیالکوٹ کے ایک سنگھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کا پیدائشی نام بوٹا سنگھ تھا۔ ان کا والد رام سنگھ ان کی ولادت سے چار ماہ پہلے سورگباش ہو گیا تھا۔ اس لئے ان کی پرورش کی ذمہ داری ان کے دادا جسپت رائے نے سنبھالی۔ لیکن دو سال بعد وہ بھی راہی ملک بقا ہوا۔ اپنے سسر کی وفات کے بعد ان کی والدہ انہیں لے کر جام پور (ضلع ڈیرہ غازیخاں) چلی گئی۔ جہاں اس کے دو بھائی بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ مولانا سندھی کی تربیت اور پرورش کی ذمہ داری ان کی ماموؤں نے لی اور جب وہ اسکول جانے کے قابل ہو گئے تو انہیں اردو مڈل سکول جام پور میں داخل کروادیا۔

۱۸۸۴ء میں ان کے ایک آریہ سماجی ہم جماعت نے ایک نومسلم عالم مولانا عبید اللہ مالیر کوٹلویؒ کی مایہ ناز تصنیف "تحفۃ الہند" انہیں مطالعہ کے لئے دی۔ جس کے مطالعہ سے اسلام کی حقانیت ان کے دل پر نقش ہو گئی اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ "تحفۃ الہند" کے مصنف کے نام کی رعائت سے انہوں نے اپنا نام عبید اللہ تجویز کیا اور گھر والوں سے چھپ کر نمازیں ادا کرنے لگے، لیکن یہ صورت حال خود ان کے لئے قابل قبول نہ تھی۔ اس لئے موصوف ۱۵، اگست ۱۸۸۷ء کو اپنے گھر سے فرار ہو گئے اور مختلف مدرسوں اور خانقاہوں کے چکر کاٹتے ہوئے بھرچونڈی شریف میں سید العارفین حافظ محمد صدیقؒ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ ان بزرگ نے انہیں اپنے بیٹوں کی طرح رکھا اور ان کے حق میں یہ دعا کی۔ "خدا کرے کہ عبید اللہ کا کسی راسخ عالم سے پالا پڑے۔"

بھرچونڈی میں کچھ عرصہ قیام کے بعد مولانا سندھی دین پور شریف چلے آئے اور وہاں مولانا غلام محمد صاحبؒ کی خدمت میں رہ کر ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اکتوبر ۱۸۸۸ء میں انہیں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ مل گیا اور حافظ محمد صدیق کی دعا سے انہیں وہاں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسے بزرگوں کی صحبت ملی، جس نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔

انیسویں صدی کے اواخر میں برعظیم پاک وہند کے طول وعرض میں میاں نذیر حسین محدثؒ کے درس حدیث کا بڑا شہرہ تھا۔ مولانا سندھی نے دہلی جا کر ان سے صحیح بخاری اور جامع ترمذی کی سماعت کی۔ اسی طرح کچھ عرصہ کانپور میں رہ کر مولانا احمد حسن کانپوری سے حکمت وفلسفہ کی بنیادی کتابیں پڑھیں اور رام پور جا کر مولوی ناظر الدینؒ سے منطق کا درس لیا۔ مولانا سندھی نے آخری چند ماہ دیوبند میں اپنے محبوب استاد حضرت

شیخ الہندؒ کی خدمت میں گزارے اور ۱۸۹۱ء میں ان کی دعائیں لے کر امروٹ شریف روانہ ہوئے۔ امروٹ شریف کے سجادہ نشین مولانا تاج محمود امروٹیؒ کی خواہش پر مولانا سندھی نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور ان کی تحریک پر اسلامیہ اسکول سکھر کے ماسٹر مولوی محمد عظیم خاں کی دختر نیک اختر سے ان کا نکاح ہو گیا۔

۱۹۰۱ء میں مولانا سندھ کے ایک بڑے روحانی مرکز گوٹھ پیر جھنڈا منتقل ہو گئے۔ جہاں پیر صاحب جھنڈا کی سرپرستی میں انہوں نے مدرسہ دارالرشاد کی بنیاد رکھی۔

مولانا سندھی کی زندگی میں ۱۹۰۸ء بڑا اہم سال ہے اور یہیں سے ان کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ اسی سال حضرت شیخ الہندؒ نے انہیں دیوبند طلب فرما کر "جمیعت الانصار" کی تاسیس کا کام ان کے سپرد کیا۔ مولانا سندھی کے مخصوص نظریات کی بنا پر دیوبند کے ارباب اہتمام ان کے مخالف ہو گئے اور مدرسین دارالعلوم میں سے مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے ان کی مخالفت شروع کر دی، جو ان کی تکفیر پر منتج ہوئی۔ ان حالات میں حضرت شیخ الہند کے مشورہ پر دیوبند سے دہلی منتقل ہو گئے۔ جہاں انہوں نے ۱۹۱۲ء میں نظارۃ المعارف کی بنیاد رکھی۔ حضرت شیخ الہندؒ، حکیم محمد اجمل خاںؒ اور نواب وقار الملکؒ جیسے بزرگ اس ادارے کے سرپرست بن گئے۔

۱۹۱۴ء میں پہلی عالمی جنگ شروع ہوئی تو برعظیم سے بیشتر انگریزی فوج مشرق وسطیٰ اور یورپ کے محاذ پر روانہ ہو گئی۔ حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے سرحد کے آزاد قبائل کو انگریزوں کے خلاف جہاد پر آمادہ کرنے کا کام مولانا فضل واحد المعروف بہ حاجی صاحب ترنگ زئی اور مولانا فضل ربی کے سپرد کیا۔ مولانا عزیر گلؒ حضرت شیخ الہندؒ اور حاجی صاحبؒ کے درمیان رابطہ قائم رکھے ہوئے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو اپنے مشن کی تکمیل کے لئے کابل روانہ فرمایا۔ حضرت شیخ الہندؒ یہ چاہتے تھے کہ امیر افغانستان برعظیم پر حملہ کر دے اور ادھر حاجی صاحب ترنگ زئیؒ اور مولانا فضل ربیؒ قبائلی لشکر کے ساتھ انگریزی علاقے پر چڑھائی کر دیں۔ ادھر برعظیم کے مسلمان انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ انگریز ان دنوں یورپ اور مشرق وسطیٰ کے محاذوں پر جرمنی اور ترکی کے خلاف نبرد آزما ہیں، اس لئے وہ برعظیم کا دفاع نہیں کر سکیں گے اور بالآخر برعظیم آزاد ہو جائے گا۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ ۱۵، اکتوبر ۱۹۱۵ء کو کوئٹہ اور قندھار سے ہوتے ہوئے کابل پہنچ گئے۔ ان کی آمد سے تیرہ روز قبل ہندستانی، ترکی، جرمن مشن کابل پہنچ چکا تھا۔ اس مشن کی یہ خواہش تھی کہ افغانستان فوراً برعظیم پر حملہ کر دے۔ اس لئے جب مولانا سندھی کابل پہنچے تو ان دنوں وہاں سیاسی سرگرمیاں زوروں پر تھیں۔

انہی ایام میں مولانا عبیداللہ سندھی، راجہ مہندر پرتاپ اور مولوی محمد برکت اللہ بھوپالیؒ نے کابل میں "حکومت موقتہ ہند" کی بنیاد رکھی اور جاپان اور روس سمیت متعدد ممالک کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ بعض ناسمجھ لوگ مولانا سندھی کو اس بنا پر معتجب کرتے ہیں کہ انہوں نے "حکومت موقتہ ہند" کا سربراہ

ایک ہندو (راجہ مہندر پرتاپ) کو کیوں بنایا؟ مولانا سندھی اور ان کے بعض رفقاء کی تحریروں سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ امیر حبیب اللہ خان والی افغانستان نے انہیں یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ جو کام بھی کریں اس میں برعظیم کی اکثریت (ہندوؤں) کو نظر انداز نہ کریں۔ اسلئے انہیں مجبوراً یا مصلحتاً ایک ہندو کو اس حکومت کا سربراہ بنانا پڑا۔

مولانا سندھی کی کابل روانگی کے بعد حضرت شیخ الہند اپنے مشن کی تکمیل کے سلسلہ میں حجاز مقدس تشریف لے گئے۔ تاکہ وہاں کے ترک گورنر کے توسط سے حکومت ترکیہ سے رابطہ قائم کریں اور اسے اس پر آمادہ کریں کہ وہ روس یا ایران کے راستے افغانستان کی فوجی مدد کرے۔ تاکہ افغانستان برعظیم پر حملہ کر دے۔ کابل میں قیام کے دوران میں مولانا سندھی نے اپنی پوری اسکیم ریشمی رومالوں پر لکھ کر عبدالحق نامی ایک قاصد کے ذریعے شیخ عبدالرحیم سندھی کے پاس حیدر آباد سندھ روانہ کی اور انہیں یہ پیغام بھیجا کہ وہ کسی معتبر حاجی کے ذریعے یا خود مکہ مکرمہ جا کر یہ خطوط حضرت شیخ الہند کی خدمت میں پہنچا دیں۔ جب وہ قاصد ملتان پہنچا تو اپنے ایک قدیم مربی خان بہادر رب نواز خان سے ملنے چلا گیا۔ خان بہادر نے باتوں باتوں میں اس سے تمام راز اگلوا لیا اور انگریزوں کی خوشنودی کے حصول کی خاطر اسے ملتان ڈویژن کے کمشنر کے حوالے کر دیا۔ خطوط کی برآمدگی کے بعد برطانوی حکومت چوکنی ہو گئی او سینکڑوں افراد کو اس سازش میں شریک ہونے کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ ادھر انگریزوں نے حسین، شریف مکہ (گورنر مکہ) کی وساطت سے حضرت شیخ الہند کو ان کے رفقاء سمیت گرفتار کر کے مالٹا میں نظر بند کر دیا۔

مولانا عبیداللہ سندھی نے شہزادہ نصراللہ خاں کو، جو انگریز دشمنی کے لئے افغانستان کے سیاسی حلقوں میں مشہور تھا، برعظیم پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ اتفاق سے انگریزوں کے کان میں اس کی بھنک پڑ گئی اور انہوں نے چہار باغ (قندھار) کے ایک پیر صاحب کو، جو شہزادہ موصوف کے روحانی مرشد تھے، اس پر آمادہ کیا کہ وہ شہزادے کو اس اقدام سے باز رکھیں۔ پیر صاحب موصوف نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خواب میں فرمایا ہے کہ شہزادہ کو برعظیم پر حملہ کرنے سے باز رکھو، ورنہ بڑا نقصان ہو گا۔ مولانا محمد علی کینٹب "مشاہدات کابل و یاغستان" میں تحریر فرماتے ہیں کہ انگریزوں نے اس خدمت کے عوض پیر صاحب کو پچاس لاکھ روپے بطور نذرانہ پیش کیے۔ تحریک کی ناکامی کے بعد یہ بھی معلوم ہوا کہ امیر حبیب اللہ خاں پہلی عالمی جنگ میں غیر جانبدار رہنے کا انگریزوں سے بھاری معاوضہ وصول کیا کرتا تھا۔

امیر حبیب اللہ خاں کے قتل (فروری ۱۹۱۹ء) کے بعد امان اللہ خاں تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں انگریزوں اور افغانوں کے درمیان ایک جنگ ہوئی جو افغانستان کی تاریخ میں "جنگ استقلال" کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اس جنگ کے نتیجہ میں انگریزوں نے افغانستان کو خود مختار ملک کی حیثیت سے تسلیم کر لیا اور امیر موصوف سے کہ کہا کہ انگریزوں کے خلاف کابل میں جو کام ہو رہا ہے، اسے فوراً بند کر دیا جائے۔ بنا بریں حکومت افغانستان نے مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے رفقا کو سیاسی سرگرمیاں بند کرنے کا حکم

دیا۔ اس پر مولانا کابل سے ماسکو روانہ ہو گئے۔ (یہ ۱۹۲۲ء کے آخر کی بات ہے۔ کابل میں مولانا کی مدت قیام تقریباً سات سال ہے۔)

ماسکو میں ان کا قیام تقریباً آٹھ ماہ تک رہا۔ روس میں قیام کے دوران میں انہوں نے کمیونزم کا بڑے قریب سے مطالعہ کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اسلام کے معاشی نظام کا کوئی جواب نہیں ہے۔ نیز شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جس انداز سے مزدوروں، کاشتکاروں اور اہل صنعت و حرفت کے مسائل حل کیے ہیں، ویسا حل کمیونسٹ بھی پیش نہیں کر سکے۔ ماسکو میں قیام کے دوران میں مولانا سندھی کی روس کے وزیر خارجہ چیچرن سے چند ملاقاتیں ہوئیں۔ جس کی تفصیل ظفر حسن ایبک کی "آپ بیتی" میں موجود ہے یہ غلط ہے کہ مولانا وہاں لینن اور سٹالن سے ملے (تھے)۔

جولائی ۱۹۲۳ء میں مولانا سندھی روس سے ترکی تشریف لے گئے ان کی آمد سے قبل اتاترک، عثمانی سلطان کے سیاسی اختیارات سلب کر چکا تھا اور اگلے سال اسے برائے نام خلافت سے بھی محروم کردیا۔ مولانا سندھی نے تقریباً تین سال ترکی میں گزارے اور وہاں انھوں نے بڑے قریب سے اتاترک کو ترکی میں اصلاحات نافذ کرتے دیکھا۔

ترکی میں قیام کی دوران میں مولانا سندھی نے اپنا سیاسی پروگرام شائع کیا۔ ان کے پیش نظر چند مقاصد تھے،

۱۔ برعظیم کے لئے کامل آزادی حاصل کرنا اور آزاد وطن میں وفاقی نظام حکومت قائم کرنا۔
۲۔ برعظیم میں مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں اور اسلام کو محفوظ کرنا۔
۳۔ برعظیم میں محنت کش طبقہ کی اکثریت رکھنے والی حکومت قائم کرنا۔
۴۔ امپیریل ازم کا توڑ کرنے کے لئے ایشیاٹک فیڈریشن بنانا۔

اس پروگرام کو بروئے کار لانے کے لئے مولانا سندھی نے سرور اجیہ پارٹی کے نام سے ایک سیاسی جماعت تشکیل کی۔ یہ پارٹی رنگ و مذہب اور مال و دولت کے فرق کو مٹا کر برصغیر میں حکومت قائم کرنا چاہتی تھی۔

مولانا سندھی یہ تسلیم کرتے تھے کہ برعظیم کے تین قدرتی حصے ہیں: یعنی شمال مغربی، مشرقی اور جنوبی، وہ ان خصوں کو لسانی اور تمدنی بنیادوں پر صوبوں میں تقسیم کر کے وہاں جمہوری حکومتیں قائم کرنا چاہتے تھے۔ یہ جمہوریتیں داخلی معاملات میں بالکل آزاد ہوں گی اور وفاقی حکومت کے پاس صرف امور خارجہ، دفاع اور ایکسپورٹ و امپورٹ کے محکمے ہوں گے۔

مولانا سندھی یہ چاہتے تھے کہ ان جمہوریتوں کی مجالس قانون ساز میں کسان، مزدور دماغی کام کرنے والے کلرک، تاجر اور کارخانہ دار اپنی آبادی کے تناسب سے، اپنے ہی طبقے سے نمائندے چنیں۔ اس طرح ان مجالس قانون ساز میں محنت کشوں کی اکثریت ہو گی اور یہ لوگ اپنے مفاد کی کماحقہ حفاظت کر سکیں گے۔

مولانا سندھی فوائد عامہ کے تمام ذرائع قومیانے کے حق میں تھے۔ اسی طرح وہ منقولہ جائداد کی حد متعین کرنے کے بھی حامی تھے زرعی زمینوں کے بارے میں ان کی یہ رائے تھی کہ ایک کاشتکار کے پاس اتنی ہی زمین ہونی چاہیے۔ جس پر وہ خود کاشت کرسکے۔ وہ سودی نظام ختم کرنا چاہتے تھے اور قومی ملکیت میں لئے گئے کارخانوں کو مزدوروں کی انجمنوں کے ذریعے چلانے کے حامی تھے۔ داخلی تجارت کے بارے میں ان کا یہ خیال تھا کہ اسے کو آپریٹو سوسائٹیوں کے ہاتھ میں دے دیا جائے اور اگر کاروباری لوگ چاہیں تو وہ ان سوسائیٹیوں کے رکن بن سکتے ہیں۔ جہاں تک برآمدات کا تعلق ہے، یہ حکومت کے ہاتھ میں رہیں گی۔

مولانا سندھی مڈل تک مفت اور لازمی تعلیم کے حامی تھے۔ وہ محنت کشوں کو مفت طبی امداد اور صاف ستھرے گھر دلانا چاہتے تھے۔ لیکن وفاقی حکومت سیکولرازم پر کاربند ہو اور وہ کسی جمہوریت کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کرے۔

جہاں تک وفاقی حکومت میں ریاستوں کی نمائندگی کا تعلق ہے، مولانا سندھی کی رائے تھی کہ مختلف ریاستیں اپنے تناسب آبادی، اقتصادی، تمدنی، اور فوجی اہمیت کی بنا پر حق نمائندگی حاصل کریں گی۔

اس پروگرام کو ان کی سرور اجیہ پارٹی عمل میں لائے گی۔ اس پارٹی کے ہر رکن کے لئے یہ لازمی ہوگا کہ اس کا معیار زندگی ملک کے ایک عام کسان کے معیار زندگی سے بلند نہ ہو۔ وہ اپنی فاضل آمدنی یا جائیداد پارٹی کے نام وقف کردے۔

مولانا سندھی نے ترکی حکومت کی اجازت سے یہ پروگرام طبع کرا کے اپنے دوست و احباب کو بھیجا۔ برطانوی حکومت نے ۱۵، مئی ۱۹۲۵ء کو ایک حکم نامہ کی رو سے برعظیم میں اس پروگرام کے داخلہ پر پابندی عائد کردی۔

۱۹۲۶ء میں سلطان ابن سعود نے مکہ معظمہ میں دنیا بھر کے مسلمانوں کے نمائندوں کو جمع کیا اور انہیں بتایا کہ حرمین شریفین پر اس کا قبضہ ہو چکا ہے اس لئے اب اس کی مخالفت کرنے کی بجائے افہام و تفہیم کا راستہ تلاش کرنا چاہیے۔ مکہ کانفرنس میں شرکت کی غرض سے برعظیم سے مسلم زعما ایک وفد کی صورت میں حجاز پہنچے تھے، مولانا سندھی ان سے ملنے کی غرض سے اگست ۱۹۲۶ء میں ایک اطالوی جہاز میں سوار ہو کر جدہ پہنچے، لیکن اس وقت کانفرنس ختم ہو چکی تھی اور زعما واپس جا چکے تھے۔

اگلے تیرہ سال مولانا سندھی نے حرم شریف میں گزارے۔ مکہ مکرمہ آکر وہ سیاست سے بالکل کنارہ کش ہو گئے تھے۔ ان کا زیادہ تر وقت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تصانیف کے مطالعہ اور ان کا غوروفکر کرنے میں گزرتا تھا۔ وہ اس بات کے قائل ہو گئے تھے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ صرف شاہ صاحب کی تعلیمات کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

۱۹۳۷ء میں جب برعظیم کے متعدد صوبوں میں کانگرس برسر اقتدار آئی تو کانگریسی رہنماؤں نے مولانا سندھی کی واپسی کے لئے برطانوی حکومت پر دباؤ ڈالا۔ ادھر برطانوی حکومت کو بھی اپنے جاسوسوں

کے ذریعے اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ مولانا سندھی سیاست سے بالکل کنارہ کش ہو چکے ہیں۔ چنانچہ انہیں واپس وطن آنے کی اجازت مل گئی اور موصوف ۱۹۳۹ء میں وطن لوٹ آئے۔

مراجعت وطن کے بعد مولانا سندھی کا قیام جامعہ ملیہ دہلی میں رہا۔ ربع صدی تک غیر ممالک میں رہ کر ان میں وسعت قلب و نظر پیدا ہو گئی تھی اور موصوف فرقہ پرستی اور گروہ بندی سے بہت بلند ہو چکے تھے، اس لئے دیوبند کے اکابرین کے ساتھ ان کا نباہ مشکل ہو گیا۔ وہ مولانا سندھی کے مخصوص نظریات کی بنا پر ان کی ڈٹ کر مخالفت کرنے لگے۔ ادھر مولانا مسعود عالم ندوی نے ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ میں ان کے خلاف قسط وار مضامین لکھنے شروع کیے جن کا دندان شکن جواب مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے ماہنامہ "برہان" دہلی میں دیا جو بعد میں کتابی صورت میں "مولانا عبد اللہ سندھی اور ان کے ناقد" کے عنوان سے چھپ گیا۔

مولانا سندھی یہ کہتے تھے کہ زمانہ قیامت کی چال چل گیا ہے اور برعظیم کے مسلمان، خصوصاً مذہبی طبقہ بہت پیچھے رہ گیا ہے، اسلئے انہیں پرانی ڈگر سے ہٹ کر آگے بڑھنا چاہیے۔

مراجعت وطن کے بعد انہوں نے اپنے مخصوص نظریات متعدد اصحاب کو املا کرائے اور قرآن کریم کی متعدد سورتوں کی شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کی روشنی میں تفسیر لکھی۔ جن میں مزدوروں، کاشتکاروں، اور محنت کشوں کے مسائل پر زمانہ حاضر کے تقاضوں کے مطابق روشنی ڈالی۔ مولانا سندھی کے تلمیذ الرشید اور برعظیم کے نامور عالم دین، مولانا سعید احمد اکبر آبادی فرمایا کرتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ کے بعد مولانا سندھی سے زیادہ روشن دماغ عالم برعظیم میں پیدا نہیں ہوا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس طرح علامہ اقبال کی وجہ سے موجودہ صدی میں مولانا رومی کو دوبارہ شہرت ملی۔ اسی طرح مولانا سندھی کی وجہ سے شاہ ولی اللہ کا چرچا ہوا۔

وسط ۱۹۴۴ء میں مولانا عبید اللہ سندھی، سندھ کا دورہ کر رہے تھے کہ ان کی طبیعت خراب ہو گئی اور موصوف اپنی بیٹی کے پاس دین پور تشریف لے گئے۔ یہیں ۲۲ اگست ۱۹۴۴ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے معتقدین نے ان کے جسد خاکی کو ان مرشد مولانا غلام محمد دین پوری کے مزار کے پائنتی دفن کیا۔ رحمۃ اللہ علیہ واسعاً و کثیراً۔

مولانا سندھی کی اب تک جتنی تصانیف شائع ہوئی ہیں وہ سب امالی ہیں۔ وہ خود بہت کم لکھتے تھے اور جب کوئی مضمون ذہن میں آتا تو وہ دوسروں کو املا کروا دیتے تھے۔ بسااوقات ایسا بھی ہوتا کہ وہ کسی مسئلہ پر اظہار خیال کرتے تو سامع گھر جا کر اسے اپنے الفاظ میں قلمبند کر لیتا۔ اس لئے ان کے ملفوظات بڑی احتیاط سے پڑھنے چاہیں اور یہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ

ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

یہ بات مشہور ہے کہ مولانا سندھی کے بعض تلامذہ نے اپنے خیالات کے اظہار کے لئے موصوف کا نام استعمال کیا ہے۔